يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ

شیخ الحدیث امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

مکتبہ صفدریہ

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

"یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ سو اے
ایمان والو تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔"

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند   حق را بسجودے و نبی را بدرودے

درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ

جس میں

قرآن کریم اور حدیث شریف سے درود شریف، دعا اور ذکر کی اہمیت اور
فضیلت بیان کی گئی ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان
سے پہلے اور بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا خیر القرون میں کہیں
وجود نہ تھا بلکہ یہ آٹھویں صدی ہجری میں مصر کے بعض رافضیوں کی ایجاد کا چربہ
ہے اور اس بدعت کے ثبوت پر بزعم خود فریق مخالف کے ایک مولوی صاحب
نے جو دلائل پیش کئے ہیں انکا تانا بانا بھی عرض کر دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی وزن
نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ۔

طبع : چہارم ... ... رمضان المبارک ۱۴۰۵ ہجری
تعداد اشاعت ۱۰۰۰
طابع و ناشر ... ... انجمن اسلامیہ گکھڑ
مطبوعہ ... ... عالمین پبلیکیشنز پریس لاہور
قیمت -/۵ روپے

ملنے کے پتے

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مدنی کتب خانہ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال

مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ ، کراچی

مکتبہ مدنیہ ۔ عمران اکیڈمی

مکتبہ قاسمیہ ، اردو بازار ، لاہور

مکتبہ صدیقیہ حضرو ضلع اٹک

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

(طبع سوم)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔

اَمّا بعدُ:۔

جوں جوں زمانہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور قرونِ مشہود لہا بالخیر سے دُور ہوتا جا رہا ہے، وُوں دُوں امورِ دین اور سُنّت میں رخنے پڑتے جا رہے ہیں۔ ہر گروہ اور ہر شخص اپنے من مانے نظریات و افکار کو خالص دین بنانے پر تُلا ہوا ہے، اور تمام نفسانی خواہشات اور طبعی میلانات کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دین اور سُنّت ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے اِلّا ماشاءَاللہ اور ایسی ایسی باتیں دین اور کارِ ثواب قرار دی جا رہی

ہیں کہ سلفِ صالحین رح کے وہم و گمان میں بھی وہ نہ ہونگی حالانکہ دین صرف وہی ہے جو ان حضرات سے ثابت ہوا ہے اور انہی کے دامنِ تحقیق سے وابستہ رہنے میں نجات منحصر ہے۔ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جس طرح شرک و بدعت کی تردید فرمائی ہے، اتنی تردید کسی اور چیز کی نہیں فرمائی اور تمام بدعات اور مخترعات سے باز رہنے کی سختی سے تاکید فرمائی ہے اور خصوصاً وہ بدعات جو قیامت کے قریب رُونما ہوں گی۔

حضرت ابُو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّے اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :-

یکون فی آخر الزّمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایّاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم جلد ۱ ص ۱۰ ومشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۸)

آخر زمانہ میں کچھ ایسے دجّال اور کذّاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں اور باتیں پیش کریں گے جو نہ تو تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمہارے آبا و اجداد نے۔ پس تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمھیں نہ تو گمراہ کر سکیں اور نہ فتنے میں ڈال سکیں۔

اور ان کی ایک روایت میں ہے :-

یأتونکم ببدع من الحدیث الحدیث (البدع والنہی عنہا ص۲۷)	کہ تمہارے پاس وہ گھڑ گھڑ کر حدیثیں پیش کریں گے یا بدعات کا وجود حدیث سے ثابت کریں گے۔

اہلِ بدعت کے جتنے فرقے ہیں وہ اپنے مزعوم افعال کی بنیاد ایسی بے سروپا احادیث پر رکھتے ہیں جن کا معتبر کتب حدیث میں کوئی وجود نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو محدثین نے ان کو ضعیف اور معلول قرار دیا ہوتا ہے اور اہل بدعت ایسی ایسی بدعات آئے دن نکالتے رہتے ہیں کہ پہلے ان سے کوئی شناسا نہ تھا اور جیسے جیسے قیامت نزدیک آتی رہے گی، نئی نئی بدعات جنم لیتی رہیں گی اور سنت مظلومہ اٹھتی چلی جائے گی۔ فوا اسفاً۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :-

ما یأتی علی الناس من عام الا احدثوا فیہ بدعۃ واماتوا فیہ سنتہ حتی تحیی البدع وتموت السنن (البدع والنہی عنہا ص۳۸)	جو نیا سال لوگوں پر آئے گا اس میں وہ کوئی نہ کوئی نئی بدعت گھڑیں گے اور سنت کو مٹا دیں گے حتی کہ بدعتیں زندہ کی جائیں گی اور سنتیں مٹ جائیں گی۔

للامام محمد بن وضاح القرطبی الاُندُلسی رح
المتوفی ۲۸۶ھ طبع مصر)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حُکماً مرفوع ہے۔ اور یہ جو کچھ فرمایا بالکل بجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

کیف انتم اذا البستکم فتنۃ یربو فیہا الصغیر ویھرم فیہا الکبیر وتتخذ سنۃ یجری علیہا فاذا غیّر منہا شئی قیل غیّرت السنۃ قیل متٰی ذٰلک یا ابا عبدالرحمٰن فقال اذا کثر قراؤکم وقلّ فقہاءکم وکثر اموالکم وقلّ امناءکم والتمست الدنیا بعمل الآخرۃ وتفقہ لغیر الدین (البدع والنہی عنہا ص ۸۹)

تمھاری کیا حالت ہوگی جبکہ تم پر فتنہ چھا جائے گا۔ اس فتنہ میں بچے بڑے ہوں گے اور عمر رسیدہ بوڑھے ہو جائیں گے اور اپنی طرف سے ایک سُنّت گھڑی جائیگی جس پر عمل ہوتا رہے گا۔ جب اس کو بدلنے کی کوشش ہوگی تو کہا جائیگا، ہائے سُنّت بدل دی دریافت کیا گیا اے ابوعبدالرحمٰنؓ یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب تمھارے قاری زیادہ ہو جائیں گے اور فقیہ کم ہوں گے اور مال زیادہ ہوگا اور امین کم ہوں گے اور آخرت کے عمل کے بدلہ

میں دُنیا طلب کی جائیگی اور دین کا علم محض دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ (یا دین کے علاوہ اور فنون میں مہارت پیدا کی جائے گی)۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

یکون فی آخر الزمان عُبّادٌ جُہّالٌ وقُرّاءٌ فسقة (حل ک۔ صحیح)

آخر زمانہ میں جاہل عابد ہوں گے اور فاسق قاری ہوں گے۔

(الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۲۰۶ طبع مصر)

ظاہر بات ہے کہ جب عبادت کا شوق ہوگا اور علم نہ ہوگا، تو من مانی عبادات تراشیں گے اور بدعات گھڑیں گے۔

حضرت ابن مسعود رض کی روایت حکماً مرفوع ہے اور اس میں بدعت کے بعض اسباب کا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حضرت معاذ رض بن جبل سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

تکون فتنة یکثر فیھا المال و یفتح فیھا القرآن حتی یقرأہ المومن والمنافق والرجل و المرأة والصغیر والکبیر فیقرأہ

ایسا فتنہ برپا ہو گا جس میں مال زیادہ ہو جائے گا اور قرآن اس میں کھول کر پڑھا جائے گا۔ یہاں تک کہ مومن و منافق اور عورت و مرد اور

الرجل سرًّا فلا يتبع فيقول ما اتبع فوالله لاقرأنه علانية فيقرأه علانية فلا يتبع فيتخذ مسجدًا او يبتدع كلاما ليس من كتاب الله ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاياكم واياه فانها بدعة ضلالة فاياكم واياه فانها بدعة ضلالة فاياكم واياه فانها بدعة ضلالة ثلاثا۔

(البدع والنهي عنها ص ۲۶)

چھوٹے اور بڑے تقریباً سبھی قرآن پڑھیں گے۔ سو ان میں ایک شخص آہستہ قرآن پڑھے گا تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ کیوں میری بات نہیں مانی جاتی بخدا میں بلند آواز سے قرآن پڑھوں گا تو وہ چلّا چلّا کر قرآن پڑھے گا۔ پھر بھی لوگ اس کی طرف مائل نہ ہوں گے تو وہ الگ مسجد بنائے گا۔ اور ایسی ایسی بدعت کی باتیں ایجاد کرے گا کہ قرآن و سنت میں نہ ہوں گی تو تم اس سے بچو۔ اور اس کو اپنے نزدیک نہ آنے دو کیونکہ اس کی یہ کارروائی بدعت ضلالہ ہوگی۔ تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے۔

اور یہ روایت ان سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے :۔

فيوشك ان يقول قائل ما

قریب ہوگا کہ کہنے والا کہے گا کہ

للناس لایتبعونی وقد قرأت القرآن؟ ماهم بمتبعی حتی ابتدع لهم غیرہ فایاکم وما ابتدع فان ما ابتدع ضلالۃ (ابوداؤد جلد۲ صـ۲۷۶)	لوگ میری طرف مائل نہیں ہوتے حالانکہ میں بھی قرآن پڑھتا ہوں؟ کیوں یہ لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ یہاں تک کہ وہ ان کے لئے بدعت گھڑے گا۔ تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ سو تم اس کی بدعت سے بچنا۔ کیوں کہ اس کی کارروائی نری بدعت ضلالہ ہوگی۔

الغرض بدعت اور بدعتی سے بچنے کی اشد تاکید آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابۂ کرام رضؓ سے ثابت ہے اور بدعت کی ایسی نحوست پڑتی ہے کہ دُنیا میں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شفاعت سے محرُومی ہوتی ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

ان اللہ حجز التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (البدع والنہی	بیشک اللہ تعالٰے نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

عنہا صفحہ ۵ و مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۹)

ایک تو بدعت کی نحوست سے دل کی بصیرت اور نیکی کی استعداد مفقود ہو جاتی ہے اور دوسرے جب بدعتی بدعت کو دین اور کارِ ثواب سمجھے گا تو توبہ کیوں کرے گا؟

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رح سے روایت ہے کہ :-

ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ (البدع والنہی عنہا) صفحہ ۳۶

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری ساری اُمّت کے لئے ثابت ہوگی، مگر بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لئے تو آپ کی شفاعت ہو گی لیکن بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں بدعت کبیرہ گناہ سے بھی بدتر ہے ، اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے اور خصوصاً شرک و بدعت سے محفوظ رکھے۔ بدعات تو بہت ہیں لیکن چند سالوں میں پاکستان میں جو بدعت وبا کی طرح پھیل گئی ہے وہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ، اذانوں سے قبل اور بعد چلّا چلّا کر درود شریف پڑھنے اور نمازوں کے بعد

جہر سے دُعا کرنے کی بدعت ہے، جس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسےٰ الشاطبی الغرناطی رح المتوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں کہ :-

لوکان الاجتماع للدعاء اثر الصلوٰة جهرًا للحاضرين من باب البر والتقوىٰ لكان اوّل سابق اليه لكنه لم يفعله اصلاً ولا احد بعده حتى حدث ماحدث اھ (الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰۲ طبع مصر)

اگر نماز کے بعد اجتماعی صورت میں بلند آواز سے دُعا کرنا نیکی اور تقوےٰ کے باب سے ہوتا، تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اس کو سب سے پہلے کرتے لیکن آپ نے ہرگز یہ کارروائی نہیں کی اور نہ آپ کے بعد (خیر القرون میں) کسی نے کی ہے، یہاں تک کہ اب یہ بدعت ظہور پذیر ہوئی ہے۔

اور دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

واما ارتفاع الاصوات فى المساجد فناشئ عن بدعة الجدال فى الدين اھ (الاعتصام جلد ۲ ص ۹۷)

بہرحال مسجدوں میں چلا چلا کر آوازیں بلند کرنا تو یہ محض دین کے نام پر جھگڑے اور تعصّب کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔

اہلِ بدعت حضرات کی طرف سے مسجدوں میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے اور جہر سے ذکر کرنے کے بارے میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو گوجرانوالہ کے ایک خطیب صاحب نے شائع کیا تھا، اسکا نہایت محقق خالص علمی اور ٹھوس جواب ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حافظ محمد سعید صاحب ارشد گجراتی کی کوشش اور سعی سے ایک بڑے اشتہار کی شکل میں طبع ہوا تھا، لیکن اس کا مواد زیادہ تھا۔ ہر آدمی اس کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتا تھا۔ پھر اس کا خط اور کاغذ بھی معیاری نہ تھا۔ اب انجمن اسلامیہ گکھڑ اس کو کتابی شکل میں طبع کرا رہی ہے تاکہ عوام کو اس سے پورا فائدہ ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ فاضل مرتب سے بعض حوالوں میں اغلاط صادر ہوئے تھے اب حتی الوسع ان کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ تاہم اکثر انسان خطا سے معصوم نہیں ہیں علمی رنگ میں اغلاط کی نشان دہی کرنے والے دوستوں کا شکریہ ادا کیا جائے گا (انشاءاللہ العزیز) اور غل غپاڑہ مچانے والوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہی نہیں، اس کا پتہ مرنے کے بعد چلے گا۔ انشاءاللہ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

احقر الناس :- ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ۔

شعبان ۱۳۸۸ھ
نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم؛

اما بعد:-

جملہ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اس کی یاد اور اسی ہی سے اپنی تمام ضروریات مانگنا اور طلب کرنا نہ صرف یہ کہ اس کی محبّت اور تقرّب اور تعظیم کا ذریعہ ہے بلکہ ایک بہت بڑی عبادت بلکہ عبادت کا مغز (روح) ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں ذکر اور دُعا کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے لے کر یہ نظریہ آج تک چلا آرہا ہے اور امت مرحومہ کے علماء حقّانی شیوخِ ربّانی اور اہلِ اسلام ہمہ تن ذکر الٰہی میں مصروف چلے آرہے ہیں اور اب بھی بفضلہٖ تعالےٰ اس کے ذکر اور دُعا کو دینی اور دُنیوی کامیابیوں کا راز سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مُسلمان اس میں ذرّہ بھر تامّل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے اور ہر مُسلمان اس کو نجاتِ اُخروی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نصوصِ قطعیہ

کے پیشِ نظر ایسا سمجھنا بالکل صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (پ۱۰۔ سورۃ الانفال رکوع ۶)

اے ایمان والو جب تم (میدانِ جنگ میں) فوج سے لڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔

یعنی تمہاری فلاح اور کامیابی کا سب سے بڑا راز ہی اللہ تعالےٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں مضمر ہے اور جس کثرت سے تم اس کو یاد کرو گے تم پر رحمت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کرتے وقت بکثرت اللہ تعالےٰ کو یاد کرنا ایک محبوب عمل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یکرہ الصوت عند القتال (مستدرک جلد ۲ ص۱۱۶ قال الحاکم والذہبی صحیح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

اور حضرت قیس بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ :-

کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یکرھون الصوت عند القتال۔
(مستدرک جلد ۲ ص ۱۱۶ سکت عنہ الحاکم وقال الذھبی ھذا اصح)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرامؓ لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ لڑائی کے وقت بکثرت اللہ تعالےٰ کا ذکر ہو مگر آہستہ (نعرۂ تکبیر کا مسئلہ الگ ہے) اور قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں ذکر کی فضیلت آئی ہے اور ذکر کرنے والوں کو بشارت اور مژدہ سنایا گیا ہے اور عقلمندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ الآیۃ (پ ۴، آل عمران رکوع ۲۰)

کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

یعنی کسی حالت میں بھی وہ یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے، اور ان کا سب سے لذیذ مشغلہ ہی ذکرِ الٰہی ہوتا ہے اور ان کی زبان ہر وقت اس کے ذکر اور یاد میں سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ احادیث میں ذِکر اللہ کی ایسی تاکید اور اتنی فضیلت آئی

ہے کہ اس کے بیان کے لئے عمرِ نوحؑ اور دفتر کے دفتر درکار ہیں، جن محدثین کرامؒ نے ذکر کی فضیلت پر الگ اور مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کا قصہ ہی چھوڑیئے۔ صحاح ستہ ہی میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لئے بھی سفینوں کے سفینے درکار ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا :۔

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)

جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اُس کی مثال مُردہ کی ہے۔

اور ایک حدیث میں یوں آتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے سوال کیا گیا :۔

اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ (الحدیث) مسند احمد ترمذی مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

کہ قیامت کے دن بندوں میں کس کی فضیلت زیادہ اور کس کا درجہ بلند ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے ۔ آنحضرت
[صل]ی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دریافت کیا گیا :۔

[ا]یُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ [تُف]ارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ [ر]طْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ [(م]سند احمد و ترمذی، مشکوٰۃ جلد ا ص۱۹۸)	کہ افضل ترین عمل کونسا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس حالت میں دُنیا سے جُدا ہو کہ تمھاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو ۔

غرضیکہ بکثرت روایات ذکر اور یاد الٰہی کی فضیلت
[می]ں وارد ہوئی ہیں ۔

[د]عا :۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے ، اسی طرح
[دع]ا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا بھی بڑی عبادت ہے
[چن]انچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

[و]قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ [یَ]سْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ [سَ]یَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔	اور کہا تمھارے رب نے مجھ کو پکارو کہ پہنچوں میں تمھاری پکار کو، بیشک جو لوگ تکبّر کرتے ہیں میری عبادت (پکار) سے وہ عنقریب داخل

ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔ (پ۲۴-المومن-رکوع ۶)

اس سے ثابت ہؤا کہ جو لوگ دُعا کرنے اور اللہ تعالےٰ سے مانگنے اور سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں تو وہ جہنّم کے سزاوار ہیں اس سے بڑھ کر دُعا اور پکار کی اور کیا تاکید ہو سکتی ہے ؟ اور کُتُب حدیث میں بے شمار حدیثیں دُعا کی مزّیت پر دلالت کرتی ہیں ۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ :-

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ۔ جلد ۱ صـ۱۹۴)

اللہ تعالےٰ سے دُعا کرنا اور مانگنا عبادت کا خلاصہ ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَآءِ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ۔ جلد ۱ صـ۱۹۴)۔

کہ دُعا سے زیادہ پیاری اور محبوب چیز اللہ تعالےٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے۔

بلکہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ (ترمذی جلد ۲ صـ۱۷۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :-

مَنْ لَّا یَدْعُوا اللّٰہَ یَغْضَبْ

جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو وہ

عَلَیۡہِ (مستدرک جلد ۱ صفحہ ۴۹۱) اس سے ناراض ہوتا ہے۔

کیونکہ خزانے صرف اسی کے پاس ہیں تو جو شخص اس قادرِ مطلق کے خزانے اور اس کا در چھوڑ کر کہیں اور ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے تو وہ اس سے یقیناً ناراض ہوتا ہے کہ وہ قادر کو چھوڑ کر عاجز کے پیچھے بھاگتا ہے۔

دُرُود شریف :

جس طرح ذکر اور دُعا عبادت ہے اِسی طرح درُود شریف بھی ایک عمدہ ترین عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (پ ۲۲۔ الاحزاب۔ رکوع ۷)۔

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں رسول پر (پس) اے مومنو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صلوٰۃ کی اضافت جب اللہ تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مُراد رحمت ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے مُراد دُعاءِ رحمت ہے۔ اِسی

طرح مومنوں کی طرف بھی صلوٰۃ کی اضافت طلبِ رحمت کے معنی میں ہے یعنی خداوند تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور آپ کی ثنا اور اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی طلبِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں سو تم بھی آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کے نزول کی دُعا کرو اور حدیث شریف میں درُود شریف کی جو شان اور درجہ بیان ہُوا ہے وہ احصاء و شمار سے باہر ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :-

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۵ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۸۶)

جس نے مجھ پر ایک دفعہ درُود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہُوا ہے کہ :-

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ خَطِيئَاتٍ (مستدرک جلد ۱ ص ۵۵۰ صحیح)

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درُود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں اس طرح آتا ہے کہ :-

مَا جَلَسَ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ

جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے

لَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً۔ (الحدیث مستدرک جلد ۱ ص ۵۵۰ صحیح و مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۸)

بیٹھی ہو اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا ہو تو وہ مجلس اس کے لئے باعثِ وبال ہو گی۔

الغرض درود شریف کی بڑی ہی تاکید اور فضیلت آئی ہے کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ذکر اللہ اور درود شریف کے پاک الفاظ سے ہر وقت اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں اور تقربِ خداوندی کے زینوں پر دم بدم چڑھتے رہتے ہیں۔

ذکر کا طریقہ۔

قرآنِ کریم صحیح احادیث اور جمہور اُمّت کے متفقہ فیصلہ سے یہ ثابت ہے کہ ذکر آہستہ، عاجزی اور انکساری کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دِل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام

کے وقت اور نہ ہو غافلوں میں سے۔

(پ۹۔ الاعراف۔ رکوع ۲۴)

اِس آیتِ کریمہ سے روزِ روشن کی طرح یہ معلوم ہوا کہ ذِکر دِل میں کرنا چاہیئے اور جہر کے ساتھ ذکر کو ربُّ العِزّت نے پسند نہیں فرمایا اِلّا یہ کہ خود شریعت سے کسی خاص موقع پر ثابت ہو اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے صحابہ کرامؓ نے ایک موقع پر بلند آواز سے ذِکر کیا تو آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

اَیُّھَا النَّاسُ اِرْبَعُوا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَھُوَ مَعَکُمْ۔	اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو تم اس ذات کو تو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہو (بلکہ) تم تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے۔

(بخاری جلد۱ صفحہ ۴۰۵ و مسلم جلد۲ صفحہ ۳۴۶ واللفظ لہ)

یہ حدیث بھی اِس امر کی دلیل ہے کہ ذکر بالجہر کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے پسند نہیں فرمایا۔ امام نووی رحؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع

حاجة الی رفعه ۔ (شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۶)

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کا کوئی داعیہ پیش نہ آئے تو آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے ۔ اور چاروں امام (حضرت امام ابُو حنیفہ رح ، حضرت امام مالک رح ، حضرت امام شافعی رح اور حضرت امام احمد بن حنبل رح) اور ان کے متبعین اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے ۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیر رح وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ :-

وقال ابن بطال رح المذاهب الاربعة علی عدمِ استحبابه (البدایه والنهایه جلد ۱ ص ۲۷ وهامش بخاری جلد ۱ ص ۱۱۶) امام ابن بطال رح نے فرمایا کہ چاروں مذہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں ہے ۔ یہ حوالہ بالکل واضح ہے اور حافظ ابنِ حجر رح لکھتے ہیں :-

والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الّا اذا احتیج الی التعلیم (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۵۹)	کہ مختار امر صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں ہاں مگر جب کہ تعلیم کی ضرورت پیش آئے تو جُدا بات ہے ۔

اور امام ابو حنیفہ رح ذکر کے متعلق ضابطہ بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ :۔

ولابی حنیفۃؒ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہٖ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ اِلَّا ماخصّ بالاجماع (کبیری ص۵۶۶)

کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مخالف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو بے شک وہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں البتہ وہ ذکر جس کا جہر اجماع سے ثابت ہو۔

اور قاضی ثناءاللہ صاحب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ثم اجمع العلماء علیٰ ان الذکر سرًا ھو الافضل والجھر بالذکر بدعۃ اِلَّا فی مواضع مخصوصۃ مسّت الحاجۃ فیھا الی الجھر بہ کالاذان والاقامۃ وتکبیرات التشریق وتکبیرات

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی (شرعی) ضرورت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور ایام تشریق (یعنی بڑی عید کے

الانتقالات فی الصلوٰۃ للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب نائبۃ والتلبیۃ فی الحج ونحو ذلک (تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۴۰۸)

دنوں کی تکبیریں) اور امام کے لئے نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کو سبحان اللہ کہنا یا حج کے موقع پر لبیک کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ:-

وظہرت الاصوات فی المساجد (ترمذی۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۷۰)

مسجدوں میں آوازیں بلند اور ظاہر ہوں گی۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاری رح لکھتے ہیں کہ:-

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام (مرقات جلد ۵ ص ۱۷۷)

ہمارے بعض علماء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو، حرام ہے۔

تعجب اور حیرت ہے کہ اپنے کو حنفی کہلانے والے قرآن و حدیث سے قطع نظر فقہاء احناف رح کی تصریحات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر مسجدوں کی بے حرمتی کرتے کرتے ہیں اور پھر بھی حنفی بنے ہوئے ہیں اور اس پر ثواب کے امیدوار ہیں۔ حضرت ملا علی بن القاری رح نے حضرات صحابہ کرام رض کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے (اقلها تکلفاً کی شرح میں) یہ بھی لکھا ہے کہ:-

ولا یتحلقون للاذکار والصلوات برفع الصوت فی المساجد ولا فی بیوتهم (مرقات)	وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

دعا:-

اگرچہ ذکر اور دعا کا مآل ایک ہی ہے لیکن لفظی فرق کے پیش نظر دعا کا شرعی طریقہ بھی سن لیجئے۔ ابھی قرآن کریم کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ اپنے رب کو عاجزی سے آہستہ پکارو امام نووی رح لکھتے ہیں کہ:-

اما الدعاء فیسریه بلاخلاف	اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

(شرح مسلم جلد۱ ص۲۱۱)

کہ دعا آہستہ کرنی چاہیے۔

اور امام سراج الدین الحنفی رح اور ملا علی بن القاری رح لکھتے ہیں کہ:-

یستحب فی الدعاء الاخفاء و رفع الصوت بالدعاء بدعة (فتاوی سراجیہ ص۲۷ و موضوعات کبیر ص۱۷)

دعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ آہستہ کی جائے اور بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح امام حسن بصری رح کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:-

ان رفع الصوت بالدعاء بدعة (بلاغ المبین ص۶۷)

بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذکر اور دعا بلند آواز سے بدعت ہے۔

درود شریف

عرض کیا جاچکا ہے کہ درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اسی طریق سے جس طرح کہ حضرات صحابہ کرام رض کے ہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا نہ تو درود شریف کے حلقے باندھے جاتے

تھے اور نہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا جیسا کہ مرقات کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور فقہ حنفی کی مستند کتاب میں ذکر بالجہر کے بارے میں لکھا ہے :۔

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھراً وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔
(شامی جلد ۵ صنہ)

قاضی صاحبؒ کے فتاوی میں ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے اسلئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ اور درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمھیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

دیکھیے کہ جلیل القدر صحابی نے جو کوفہ کے گورنر تھے بلند آواز سے ذکر کرنے والوں اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا تھا اور فرمایا کہ تم بدعتی ہو۔ اگر اس فعل کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو موصوف ایسا کبھی نہ کرتے حیرت ہے کہ اس وقت پڑھنے والے بھی ہوتے تھے۔ درود شریف بھی

تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم کے ساتھ عشق و محبّت بھی بدرجۂ اتم تھی مگر گلے پھاڑ پھاڑ کر درُود شریف پڑھنے کا نہ صرف یہ کہ تصوّر ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کو بدعت اور پڑھنے والوں کو بدعتی سمجھتے تھے اور مسجدوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ جب اس وقت بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنا کارِ ثواب نہ تھا تو آج کیوں یہ کارِ ثواب ہوگیا ہے؟ کیا اہلِ بدعت پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ (معاذ اللہ)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم کا ارشاد تو یہ ہے کہ نجات صرف اس فرقہ کو ہوگی جو ما انا علیہ و اصحابی (جس طریقہ پر مَیں اور میرے صحابہ کرام ہیں) پر گامزن ہوگا۔ اہلِ بدعت سوچ لیں کہ وہ کس راستہ پر چل رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ؎

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنے کی بدعت

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درُود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ خلفاء

راشدین رض اور صحابہ کرام رض کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہ رح میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا، بلکہ تقریباً سات سو نوّے ہجری تک کسی بھی مقام پر یہ بدعت رائج نہ تھی۔ اس بدعت کی ابتدا کب ہوئی اور کس نے کی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے لیکن قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس کی ابتدا مصر میں ۷۹۱ھ ہجری میں ہوئی اور اس وقت رافضیوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء سیوطی رح صہ ۴۹۸، دُرمختار جلد ا صہ ۹۴ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح صہ ۱۱۴ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی ایجاد ۷۹۱ھ کو ہوئی اور درمختار میں ۷۸۱ھ لکھا ہے۔

اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدارِ شریعت خوابوں پر نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً حجّت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور رافضی حاکم کے سامنے پیش کیا۔ اس نے قانوناً یہ بدعت جاری کر دی۔ چنانچہ علّامہ مقریزی رح فرماتے ہیں کہ:-

فمضی الی محتسب القاھرۃ	وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے
وھو یومئذٍ نجم الدین محمد	پاس گیا ہو۔ اس وقت نجم الدین

الطبندی وکان شیخا جھولا
سئ السیرۃ فی الحسبنۃ
والقضأ متھافِتًا علی الدرھم
ولو قادہ الی البلأ لا یحتشم
من اخذ البرطیل والرشوۃ
ولا یراعی فی مؤمن اِلًّا ولا
ذِمَّۃً قد جرئ علی الاثام و
تجسد من اکل الحرام یری
ان العلم ارخاء العذبۃ ولبس
الجبۃ ویحسب ان رضأ اللّٰہ تع
فی ضرب العباد بالدرۃ وولایۃ
الحسبۃ وجھالاتہ شائعۃ وفیائح
افعالہ ذائعۃ۔
(رجوالہ الابداع فی مضار الابتداع) ص۱۶۱

محمد الطبندی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا۔
قضا اور محاسبہ میں بد اخلاق تھا۔
ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا
اور کمینگی اور بے حیائی کا پُتلہ تھا
حرام اور رشوت لینے سے دریغ
نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی
قرابت اور ذمّہ کا پاس اس کو
نہ تھا۔ گناہوں پر بڑا حریص تھا
اور اس کا جسم مالِ حرام سے پلا
ہُوا تھا۔ اس کے نزدیک علم کا
کمال بس دستار و جُبّہ تھا اور یہ
سمجھتا تھا کہ رضاء الٰہی اللہ تعالیٰ کے
بندوں کو کوڑے لگانے اور عُہدۂ
قضاء پر برابر جما رہنے سے ہے اس
کی جہالتوں کے قصّے اور اس کے
گندے افعال کے قصّے مُلک
میں مشہور تھے۔

علّامہ طحطاویؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ
کارروائی محمد الطبندی کے حکم سے ہوئی۔
(طحطاوی ص ۱۰۴ طبع مصر)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ :-

قال شیخنا رضی اللہ عنہ لم
یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون
فی ایام حیواتہ صلی اللہ علیہ
وسلّم ولا الخلفاء الراشدین
قال کان فی ایّام الروافض
بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ
ووزرائہ بعد الاذان الی ان
توفی الحاکم بامر اللہ وولوا
اختہ فسلموا علیہا وعلی وزرائہا
من النساء فلما تولی الملک العادل
صلاح الدین بن ایوب فابطل
ہذہ البدع وامر المؤذنین
بالصلوٰۃ والتسلیم علی رسول اللہ

ہمارے شیخ نے اللہ تعالےٰ ان سے
راضی ہو، یہ فرمایا کہ یہ سلام کہنا جیسا
کہ مؤذن اب کرتے ہیں، آنحضرت
صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات خلفاءؒ
راشدین رضؓ کے زمانہ میں نہ تھا اور
فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کے
دَور میں مصر میں رائج ہوا کہ انھوں
نے اپنے خلیفہ اور اس کے
وزراء پر اذان کے بعد سلام
کہنا شروع کیا یہاں تک کہ حاکم
بامراللہ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے
اُس کی بہن کو اقتدار سونپا تو اس پر
اور اس کی وزراء عورتوں پر مؤذن

علیہ وسلّم بدل تلک البدعة واصر بہا اھل الامصار والقرٰی فجزاہ اللہ خیرًا (کشف الغمہ جلد ۱ ص۲۰ طبع سنہ ۱۳۷۰ھ)

یہ سلام کرتے رہے جب عادل بادشاہ صلاح الدینؒ بن ایوبؒ کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے اس بدعت کو ختم کر دیا اور مؤذنوں کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ وسلام پڑھا کریں اور شہروں اور دیہاتوں کے باشندوں کو اس نے اس کا حکم دیا۔ اللہ تعالےٰ اُن کو بہتر جزا دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معہود صلوٰۃ و سلام نہ تو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دورِ مسعود میں بلکہ اس کی ابتداء مصر میں اس زمانہ میں ہوئی جب کہ وہاں رافضیوں کا اقتدار تھا۔ انھوں نے ملکۂ مصر اور اس کی وزراء عورتوں پر سلام کہنا جاری کر دیا۔ جب عادل بادشاہ سلطان صلاح الدینؒ کا دَور شروع ہوا تو اُنھوں نے اس بدعت کو ممنوع قرار دے کر اس کے بجائے مصر

کے شہروں اور دیہاتوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دے دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بدعت نے مصر میں اس طرح وبا کی شکل اختیار کر لی تھی کہ اس کو یک قلم ممنوع قرار دینا ملک عادل کے بس میں بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے غالباً اس قاعدہ کے پیشِ نظر اذا ابتلیتم ببلائین فاختروا اھونھا کہ جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ تو ان دونوں میں سے ہلکی کو اختیار کر لو۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام کو جاری کیا تاکہ ملک میں ہیجان پیدا نہ ہو اور نہ خلفشار کی نوبت آئے اور اس طرح روافض کی جاری کردہ بدعتِ ضلالہ ختم ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو اُمّت کو ملک عادل کی اتباع کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ حکم تو یہ دیا ہے کہ میری اور میرے خلفاء راشدین رضؓ کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑو اور خود اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ کارروائی نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وقت ہوئی اور نہ حضرات خلفاء راشدین کے دور میں، حالانکہ اس وقت اذان بھی ہوتی تھی۔ مسجدیں بھی تھیں پڑھنے والے بھی ہوتے تھے اور ان میں محبّت بھی کمال درجہ

کی ہوتی تھی پھر وہ کون سی نئی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس بدعت پر عمل کرنے کی شرعی ضرورت پیش آگئی؟ امام ابن حجر المکی رح فرماتے ہیں کہ :-

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانہم یقدمون ذٰلک فیہما علی الاذان والا المغرب فانہم لایفعلونہ غالباً لضیق وقتہا وکان ابتدأ حدوث ذٰلک فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بن ایوب وبامرہٖ فی مصر واعمالہا وسبب ذٰلک ان الحاکم المخذول لما قتل امرت اختہ المؤذنین ان یقولوا فی حق ولدہٖ السلام علی الامام الطاہر ثم استمر

بلاشبہ مؤذنوں نے فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے وہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب کے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالباً نہیں پڑھتے اور اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین رح بن ایوب رح کے دور میں اور اسکے حکم سے مصر اور اس کے قلمرو میں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حاکم مخذول قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو

حکم دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے
حق میں یوں سلام کہیں السلام
علی الامام الطاہر پھر اس کے
بعد اور حکمرانوں پر بھی یہ سلام ہوتا
رہا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین رح نے
اس کو ختم کیا اور اس کے عوض
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
صلوٰۃ و سلام جاری کیا۔ اس کا
یہ فعل کیا اچھا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ
اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اور
ہمارے مشائخ اور اسی طرح
دوسرے بزرگوں سے اس کے
بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان
کے بعد اس کیفیت سے جس طرح
کہ اب مؤذن آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے
ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انھوں

السلام علی الخلفاء بعدہٗ الی
ان ابطلہ صلاح الدین المذکور
وجعل بدلہ الصلوٰۃ والسلام
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم
فنعم ما فعل فجزاہ اللہ خیرًا
ولقد استفتی مشائخنا وغیرھم
فی الصلوٰۃ والسّلام علیہ صلی
اللہ علیہ وسلم بعد الاذان
علی الکیفیۃ التی یفعلھا المؤذنون
فافتوا بان الاصل سنتہ
والکیفیۃ بدعۃ وھو ظاھر
کما علم مما قررتہ من الاحادیث
(الفتاوی الکبرٰی الفقہیۃ جلد ۱ ص ۱۳۱)

نے یہ فتویٰ دیا کہ نفسِ درود شریف تو
سنّت ہے مگر اس کیفیت
سے پڑھنا بدعت ہے اور
یہ بالکل ظاہر ہے جیسا کہ میں نے
احادیث سے اس کو ثابت
کر دیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فجزاہ اللہ خیرًا کا جملہ دُعائیہ صرف اس فعل سے متعلّق ہے کہ سلطان صلاح الدینؒ نے فسّاق و فُجّار حکّام پر سلام کے طریقہ کو بند کر دیا تھا اور معہود تسلیم سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے مشائخ کے حوالہ اور ان کے فتویٰ سے اذان کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نفس صلوٰۃ و سلام کو سنّت اور مروّجہ کیفیت کو بدعت لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ظاہر ہے۔ جیسا کہ احادیث سے اس کا ثبوت ہو چکا ہے۔ جن لوگوں نے جملہ دعائیہ کو اجراءِ تسلیم علی النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی لگایا ہے، تو انھوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور سب عبارت کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالےٰ ان کم فہموں کو فہم عطا فرمائے اور اس سے قبل اُنھوں

نے صلوٰۃ و سلام کی چند احادیث بیان کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ :-

وورودت احادیث اُخر بنحو تلك الاحادیث السابقۃ و لم نر فی شئ منہا التعریض للصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاذان ولا الیٰ محمد رسول اللہ بعدہٗ ولم نر ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضا لذٰلك ایضاً فحینئذٍ کل واحد من ھٰذین لیس بسنۃ فی محلہ المذکور فیہ فمن اتیٰ بواحدٍ منہما فی ذٰلك معتقدا سُنیتہٗ فی ذٰلك المحل المخصوص نہی عنہ ومنع منہ لانہ تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذٰلك وینہی عنہ۔

(جلد ۱ صـــ ۱۳۱)

ان گزشتہ احادیث کی طرح اور بھی اس مضمون کی کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے ان میں سے کسی میں یہ اشارہ نہیں دیکھا کہ اذان سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے اور نہ یہ کہ اذان کے بعد محمد رسُول اللہ کے الفاظ پڑھے جائیں اور ہم نے اپنے اماموں کے کلام میں بھی نہیں دیکھا کہ اُنھوں نے اس سے کچھ تعرّض کیا ہو۔ اندریں حالات یہ دونوں باتیں اس مذکورہ مقام میں سُنّت نہیں (بلکہ بدعت) ہیں۔ سو جس شخص نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی سُنّت سمجھ کر اس مخصوص محل میں کی تو اُسے

منع کیا جائیگا اور روکا جائیگا کیونکہ
یہ بلا دلیل شریعت بنانا ہے اور
جو شخص بغیر دلیل کے شریعت
بنائے تو اس کو اس سے ڈانٹا جائیگا
اور روکا جائے گا۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس صفائی سے امام ابنِ حجرؒ نے اِس بدعت کو روکنے کی سعی اور جرأت کی ہے۔

مطلق درود شریف اور ذِکر کی فضیلت کی حدیثوں سے اذانوں اور نمازوں سے قبل یا بعد جہراً پڑھنے پر استدلال کرنا اپنی غیر معصوم رائے سے دین میں دخل دینا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) ایک خاص مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

فالتقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأى فى التشريع فكيف اذا عارضه الدليل وهو الامر باخفاء النوافل	ان مطلق احکام میں قید لگانا جن میں شریعت کی طرف سے کوئی قید لگانا ثابت نہیں ہے۔ شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔ پھر اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

مثلاً۔ جبکہ اسکے مقابلہ میں دلیل موجود ہو۔

(الاعتصام جلد ۱ ص۲۴۲ طبع مصر) مثلاً نفلوں کو مخفی کر کے ادا کرنا۔

اسی طرح ذکر وغیرہ کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی۔ (حم، حب، هب، عن سعدؓ صحیح الجامع الصغیر ج۲ ص۵)

بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اگر ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ درست بھی ہو تو اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ ذکر کرنا بہرحال بہتر ہے اور ترجیح اس کو ہے۔ کیونکہ یہ ریاء سے بھی بعید ہے اور نمازیوں، سونے والوں، مطالعہ کرنے والوں اور بیماروں کو اس طرح سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اور امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح

مؤذنوں نے پانچ فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ

والجمعة فانهم يقدمون
ذلك فيهما على الاذان والا
المغرب فانهم لا يفعلونه
اصلا لضيق وقتها وكان
ابتداء حدوث ذلك من
ايّام السلطان الناصر
صلاح الدين ابي المظفر
يوسف بن ايوب وامره و
اما قبل ذلك فانه لما قتل
الحاكم بن العزيز امرت اخته
ست الملك ان يسلم على
ولده الظاهر فسلم عليه
بما صورته السلام على الامام
الظاهر ثم استمر السلام على
الخلفاء بعده خلفا عن سلف
الى ان ابطله الصلاح المذكور
جوزي خيرًا وقد اختلف في

کے موقع پر وہ یہ کارروائی اذان
کے پہلے کرتے ہیں اور مغرب کے
وقت بالکل نہیں کرتے، کیونکہ
اس کا وقت تنگ ہوتا ہے اور
اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین
ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے
دور میں اور اس کے حکم سے ہوئی
کیونکہ جب حاکم ابن عزیز قتل ہوا
تو اس کی بہن ست الملک نے
حکم دیا کہ اس کے لڑکے ظاہر پر
اس طرح سلام کہا جائے۔ السلام
علی الامام الظاہر پھر اس کے بعد
حکمرانوں پر یکے بعد دیگرے سلام
کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ
صلاح الدین رح مذکور نے اس کو بند
کر دیا۔ اس کو جزائے خیر ملے، اور
بیشک اس کے بارے میں اختلاف

---

[1] پہلے یہ لفظ طاہر گزرا ہے اور اب ظاہر۔ بظاہر نسخہ کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم

ذلك هل هو مستحب او مكروه او بدعة او مشروع واستدل للاول بقوله تعالیٰ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ و معلوم ان الصلوٰة والسلام من اجل القرب لاسيّما وقد تواردت الاخبار على الحث على ذٰلك مع ما جاء في فضل الدعاء عقب الاذان والثلث الاخير من الليل وقرب الفجر والصواب انه بدعة حسنة يوجر فاعله بحسن نيته اه (القول البديع ص۱۴۴ طبع الٰہ آباد الهند)

کیا گیا ہے کہ کیا وہ مستحب ہے یا مکروہ یا بدعت یا محض جائز اور اس کے مستحب ہونے کے لئے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ تم بھلائی کرو اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام بڑی عبادات میں سے ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب پر حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور علاوہ ازیں اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے قریب دعا کی فضیلت کی حدیثیں بھی آئی ہیں اور درست بات یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جوزی خیرًا کے جملہ دعائیہ کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ سلطان صلاح الدین رح نے ظالم اور عیّاش بادشاہوں پر سلام کی بدعت کو ختم کیا

تھا۔ رہا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اذانوں کے بعد صلوٰۃ و سلام کا معاملہ، تو وہ اس کے بارے میں علماءِ کرام سے چار قسم کا اختلاف نقل کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو مستحب کہا اور کسی نے مکروہ۔ کسی نے اسے بدعت کہا اور کسی نے صرف جائز اور اپنی رائے بدعتِ حسنہ ہونے کی بیان کی۔ بشرطیکہ اس کا فاعل نیک نیّتی سے یہ کام کرتا ہو اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ بھی ایک خیر ہے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کہ تم بھلائی کیا کرو اور بکثرت حدیثیں صلوٰۃ و سلام کے فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے وقت دُعا کی فضیلت آئی ہے۔ مگر امام سخاویؒ نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے، دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ و سلام کی فضیلت کا کون مُسلمان مُنکر ہے؟ اور اسی طرح سحری کے وقت اور بوقت فجر دُعا کی فضیلت کا جو احادیث سے ثابت ہے کون انکار کرتا ہے؟ دعوےٰ اور سوال تو یہ ہے کہ بلند آواز سے جو گلے پھاڑ پھاڑ کر اذانوں سے پہلے یا بعد صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے اِس کی کون سی دلیل ہے؟ اور اِس کی

فضیلت پر کون سی حدیث وارد ہوتی ہے، امام سخاوی رحمہ وہ نہیں پیش کر سکے۔ اگر یہ فعل وَافْعَلُوا الْخَیْرَ سے ثابت ہوتا تو حضرات خلفاء راشدین رضہ اور صحابہ کرام رضہ اور خیر القرون کے سلفِ صالحین پر یہ عُقدہ کیوں نہ کھلا؟ کیا ان کے سامنے وَافْعَلُوا الْخَیْرَ کا قرآنی مضمون نہ تھا؟ اگر یہ کارروائی خیر ہوتی تو وہ حضرات کبھی اس سے نہ چوکتے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ :-

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرًا لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صـ ۱۵۶)

بہرحال اہلسنّت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرام رضہ سے ثابت نہ ہوا ہو تو وہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر وہ خیر اور بہتر ہوتا تو ضرور وہ ہم سے اس کے کرنے میں سبقت لے جاتے۔ کیونکہ انھوں نے بھلائی کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں چھوڑی جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ :-

اقول الفرقۃ الناجیۃ ھم الآخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعًا بما ظھر من الکتاب والسنۃ وجری علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین اھ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۷۰، طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ نجات حاصل کرنے والا فرقہ وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں اس چیز کو لیتا ہے جو کتاب اور سُنت سے ظاہر ہو اور جمہُور صحابہ کرام رضؓ اور تابعینؒ کا اس پر عمل ہو۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

وغیر الناجیۃ کل فرقۃ انتحلت عقیدۃ خلاف عقیدۃ السلف او عملاً دون اعمالھم اھ (ایضًا ص ۱۷۰)

اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف (یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ) کے عقیدہ اور عمل کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل اپنا لیا ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کِس واضح انداز سے ناجی اور غیر ناجی فرقہ میں فرق بیان کیا اور خطِ امتیاز کھینچ دیا ہے۔

الغرض اذانوں سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کے بدعت کہنے میں کِسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بعض

حضرات نے مثلاً امام شاذیؒ سید احمد طحطاویؒ اور اسی طرح بعض دیگر مصری (وغیرہ) علماء نے اپنی صوابدید کے مطابق اسے بدعتِ حسنہ کہا ہے مگر کاش کہ ان کے سامنے آج کل کے مفاسد اور خرابیاں ہوتیں تو وہ کبھی اس کو بدعت حسنہ نہ کہتے بلکہ یقین کامل ہے کہ وہ اسے بدعت ضلالہ سے تعبیر کرتے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ سائنس کی ترقی کی بدولت لاؤڈ اسپیکر ایجاد ہوں گے اور ان کی بدولت آواز میلوں تک پہنچے گی کہ نہ تو کوئی مطالعہ اور تلاوت کر سکے گا اور نہ نماز اور سبق ہی پڑھ سکے گا۔ اور نہ سکون و آرام سے ذکر کر سکے گا اور نہ کوئی نیند کر سکے گا۔ اور پڑھنے والے اکثر تعصب اور ضد اور چڑانے کی خاطر پڑھیں گے۔ یہ مفاسد ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک دور میں بیبیاں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتی تھیں لیکن نہایت شرافت، سادگی اور حیا کے ساتھ، بعد کو جب مصر، شام اور ایران وغیرہ فتح ہوئے اور وہاں کی بے باک اور بناؤ سنگار کرنے والی عورتیں مدینہ طیبہ پہنچیں تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو دیکھ لیتے

تو ان کو ضرور مسجد میں آنے سے روک دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۰) یقین کامل ہے کہ اگر یہ بزرگ اس وقت موجود ہوتے تو اس کارروائی کو بدعتِ حسنہ کے بجائے بدعتِ ضلالہ کہتے۔ لاشک فیہ۔

فتاوی ذخیرۃ السالکین میں لکھا ہے کہ :-

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قبل الاذان و بعدہ من محدثات الامور التی لم یکن فی عهد رسول اللہ علیہ وسلّم والخلفاء الراشدین والتابعین ومن تبعھم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ان بدعات میں سے ہے جن کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور خلفاء راشدین اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا۔

(بحوالہ غایۃ الکلام صفحہ ۱۲۸)

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہلِ بدعت نے صرف اذان میں راگ ہی پر اکتفا نہیں کی :-

بل زادوا علیہا بعض الکلمات من الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی

بلکہ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعض

صلی اللہ علیہ وسلّم وان کان مشروعا بنص الکتاب والسنۃ وکان من اکبر العبادات و اجلہا لکن اتخاذھا عادۃ فی الاذان علی المنارۃ لم یکن مشروعا اذلم یفعلہ احد من الصحابۃؓ والتابعین ولا غیرھم من ائمۃ الدین ولیس لامرأ ان یضع العبادات الّا فی مواضعہا التی وضعہا فیہا الشرع ومضی علیہا (مجالس الابرار ص۳۰۰ طبع کانپور)

کلمات بھی اضافہ کئے ہیں۔ اگرچہ درود شریف قرآن و سنّت سے ثابت ہے اور بڑی اور عمدہ عبادات میں سے ہے لیکن منارہ پر اذان کے بعد اس کے پڑھنے کی عادت اختیار کر لینا مشروع نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور ائمہ دینؒ میں سے کسی ایک نے ایسا نہیں کیا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو ایسے مقامات پر ادا کرے جہاں شریعت نے نہیں بتائیں اور جس پر سلف صالحینؒ نے عمل نہیں کیا۔

اور علّامہ ابن امیر الحاجؒ فرماتے ہیں کہ :-

فالصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم احدثوھا فی اربعۃ مواضع لم تکن تفعل فیہا فی عہد من مضی والخیر

(اہل بدعت نے) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر چار مقامات پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت ایجاد کی ہے جس کا وجود سلف

كله فى الاتباع لهم مع انها قريبة العهد بالحدوث جدا وهى عند طلوع الفجر من كلّ ليلة وبعد اذان العشاء ليلة الجمعة اھ (مدخل جلد۲ ص۲۴۹)

صالحینؒ کے زمانہ میں نہ تھا اور خیر تو ان کی پیروی ہی میں ہے حالانکہ یہ بدعت تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ ایجاد ہوئی ہے۔ ان مقامات میں سے ایک طلوعِ فجر کے وقت روزانہ اور دُوسرا جمعہ کی رات کو عشاؔ کی اذان کے بعد درُود پڑھنا ہے۔

اور شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں :-

کہ در فضیلت صلوٰۃ بر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کراسخن است لیکن چنانکہ فرمودہ اند باید کرد ہر چیز را محلے و موطنے تعیّن کردہ ہماں جا باید گفت و کرد۔

(مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۳۴۸)

ان تمام حوالوں اور خصوصًا مقریزیؒ اور کشف الغمہ کے حوالہ سے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود شریف کا پڑھنا بدعت ہے اور اس کی ابتدا رافضیوں کے دور میں ہوئی اور ایسے ظالم حاکم کے ہاتھوں یہ ہوئی جو بداخلاق، راشی، حرام خور اور انتہائی کمینہ تھا اور موجودہ صلوٰۃ و سلام کا

طریقہ رافضیوں کے سلام کا چربہ ہے جو بقول بعض سلطان صلاح الدینؒ نے رافضیوں کی بدعت کو ختم کر کے رائج کیا آپ اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بڑی بدعت کو ختم کر کے چھوٹی اور ہلکی بدعت اختیار کی مگر بدعت بہرحال بدعت ہے۔ جب بدعت ہوئی تو اس میں حسن کہاں سے آئے گا؟

حضرت مجددّ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

چیزیکہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند الخ (مکتوبات حصہ سوم مکتوب ۱۸۶ صفحہ ۲۷ طبع امرتسر) یعنی بدعت جب شرعًا مردود ہے تو اس میں حسن کہاں سے پیدا ہوگا؟

حیرت ہے کہ اپنے آپ کو سُنی کہلانے والے بدعت پر چل رہے ہیں اور جو لوگ سنتِ صحیحہ پر عامل ہیں اُلٹا اُنکو کوستے اور وہابی کہتے ہیں۔ نہایت ہی افسوس ہے اس بے بنیاد نظریے پر۔

حضرت مجددّ الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

از حق تعالیٰ تضرع است کہ ہر چیز در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر

حق تعالیٰ سے عاجزی اور زاری کے ساتھ دُعا ہے کہ جو چیز دین میں گھڑی گئی ہے اور بدعت جاری

و خلفاء راشدین او نبوده اگرچه
آن چیز در روشنی مثل فلق
صبح بود این ضعیف را باجمعے
کہ باد منتند اند گرفتار عمل
نگرداناد و مفتون حسن آں
مبتدع نکناد بحرمۃ سیّد
المرسلین اھ (مکتوبات حصّہ سوم
مکتوب صہ ۱۸۶ صد ۲، طبع امرتسر)۔

کی گئی ہے جو آنحضرت صلّی اللّٰہ
علیہ وسلّم اور اس کے خلفاء
راشدین رضؓ کے دور میں نہ تھی۔
اگرچہ وہ چیز روشنی میں صُبح
کی رُوشنی کی مانند ہو۔ اس
ضعیف کو سیّدالمرسلین صلّے اللّٰہ
علیہ وسلّم کے طفیل سے اس
جماعت میں نہ کرے جو اس بدعت
کے عمل میں گرفتار اور بدعت کے
حُسن کے فِتنہ میں مُبتلا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس طرح کسی ثابت شدہ چیز کا کرنا اپنے مقام پہ
سُنت ہے۔ اسی طرح غیر ثابت شدہ چیز کا ترک اور نہ کرنا بھی اپنی
جگہ اور اپنے محل میں سُنت ہے۔ آنحضرت صلّے اللّٰہ علیہ وسلّم
اور حضرات خلفاء راشدین رضؓ نے اذان سے قبل اور بعد بُلند
آواز سے نہ تو صلوٰۃ وسلام پڑھا اور نہ اس کا حُکم فرمایا،
تو اب اس کے خلاف کرنا یقیناً ان کی سُنّت کا رافع ہوگا
اور یہ کہنا کہ اس کارروائی سے کسی سُنّت کی رفع نہیں

ہوتی محض طفل تسلی ہے۔ یہ کارروائی بہرکیف خلافِ سُنّت اور رافع سُنّت ہے۔ علامہ ابراہیم الحلبی الحنفی رح صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں پڑھی جاتی ہے) وغیرہ کے بدعت اور مکروہ ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام رض اور تابعین رح اور بعد کے ائمہ مجتہدین رح سے یہ منقول نہیں ہے (کبیری ص۴۳۳ اور عالمگیری جلد۴ ص۲۶۴ باب الکراہتہ) میں ہے کہ سورۂ کافرون پوری سورت جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بدعت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رض اور تابعین رح سے منقول نہیں ہے۔

غرضیکہ جس چیز کا داعیہ، محرک اور سبب اُس وقت بھی موجود تھا مگر وہ چیز نہیں کی گئی تو اس کا کرنا بدعت ہے۔ بخلاف ان اشیاء کے جن کا داعیہ اس وقت نہ تھا اور اب پیش آیا ان کے بارے میں اہل علم اور اصحابِ بصیرت قیاس واجتہاد سے کام لے سکتے ہیں۔

تثویب

بعض اہلِ بدعت نے اذان سے قبل اور بعد چلّا چلّا کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو تثویب پر قیاس کیا ہے مگر یہ ان کی سخت غلطی ہے اوّلاً اس لئے کہ تثویب کے معنی ہیں اعلام

بعد الاعلام یعنی بتانے کے بعد بتانا گویا پہلے تو اذان کے ساتھ نماز کا وقت بتایا اور پھر دوبارہ آگاہ کیا کہ نماز کا وقت قریب ہے۔ اس تثویب کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہ رح میں اور پھر خود اکابر علماء حنفیہ میں خاصا اختلاف ہے۔ بعض قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ بعض صرف فجر کی نماز کے لئے قائل ہیں اور بعض سب نمازوں کے لئے اور بعض صرف مفتی، قاضی اور حاکم کے حق میں قائل ہیں اور بعض سب کے لئے۔ جب خود اصل مسئلہ ہی من کل الوجوہ متفق علیہا نہیں تو اس پر قیاس کا کیا معنیٰ؟ (ثانیاً) اذان سے پہلے جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے یہ کیسے تثویب ہوگا؟ کیا اس صورت میں اذان کو تثویب قرار دیں گے؟ مگر جو حضرات صلوٰۃ و سلام کو اذان کی جزو قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں اُن سے کیا بعید ہے کہ وہ اذان ہی کو تثویب کہہ دیں (ثالثاً) تثویب کے لئے کلام کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ کھانسنے سے بھی تثویب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ :-

وتثویب کل بلد علیٰ ما تعارفوا	تثویب ہر شہر والوں کی ان کے
اما بالتنحنح او بالصلوٰۃ الصلاۃ	تعارف پر ہے یا تو کھانسنے سے

او قامت قامت۔
(شرح کنز ص۲۱)

اور یا "نماز نماز" یا "کھڑی ہو گئی" کھڑی ہو گئی" کہہ کر (تثویب ہو سکتی ہے)۔

اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی" تثویب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

قوله الاعلام بعد الاعلام اشار باطلاقه الی ان لا یخص التثویب بلفظ دون لفظ بل یکفی فیه التنحنح ایضًا ولا یختص ایضًا بلسان دون لسان والی استحسان التثویب انما هو لما کان له اعلام الاول فما تعورف فی بعض بلادنا من قول الصلوٰة سنة رسول الله بین الاذانین من یوم الجمعة لیس داخلا فی استحسان المتاخرین ولا فی استحسان المتقدمین فیلزم

ماتن کے مطلق قول اعلام بعد الاعلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تثویب کسی ایک لفظ کے ساتھ خاص نہیں کہ دوسرے سے نہ ہو سکے۔ بلکہ اس میں کھانسنا بھی کفایت کرتا ہے (یعنی کھانس کر کسی کو آگاہ کرنا) اور اسی طرح ایک زبان سے بھی مخصوص نہیں کہ دوسری میں نہ ہو سکے اور نیز اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تثویب اس چیز کو دوبارہ دہرانا ہے جس کے لئے پہلے آگاہ کیا تھا۔

ترکہ انتہی (عمدۃ الرعایہ جلد ۱ ص۱۵۴)

سو ہمارے بعض شہروں میں جو یہ طریقہ ہے کہ جمعہ کے دن دو اذانوں کے درمیان الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ سُنّۃ رسُول اللّٰہ کہتے ہیں یہ نہ تو متأخرین کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے استحسان میں. لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔

فقہاء کرام رح نے تثویب میں کھنسنا، یا الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کہنا، یا قامت قامت کہنا یا حی الصّلوٰۃ حی الصّلوٰۃ وغیرہ الفاظ رکھے ہیں یا ان کے ہم معنی الفاظ جس زبان سے بھی ہوں۔ مگر عمدۃ الرعایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کے علاوہ سُنّۃ رسُول اللّٰہ کے الفاظ (جو بظاہر ضرورت سے زائد ہیں) کہنا بھی نہ تو متأخرین فقہاء کرام رح کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے، پھر بھلا صلوٰۃ و سلام اور کئی کئی بار اور کافی کافی وقت پڑھنا تثویب میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیسے مستحسن ہو سکتا ہے؟ و. دالبتہ گن گن معتبر فقہاء کرام رح نے صلوٰۃ و سلام کو اس معہود تثویب میں شامل کیا ہے، حوالہ

درکار ہے۔ اپنی طرف سے اس کو تثویب میں داخل کر دینے سے کچھ نہیں بنتا۔

ذکر بالجہر بھی مشروط ہے:

جن بعض اکابر علماء کرام نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے تو انھوں نے اس کو مشروط کیا ہے۔ مطلقاً جہر کے حق میں وہ بھی نہیں ہیں، چنانچہ صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں کہ :-

وقد جمع النوویؒ بین الاحادیث الواردة فی استحباب الجهر بالذکر والواردة فی استحباب الاسرار به بان الاخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی المصلّون اوالنائمون والجهر افضل فی غیر ذلك لان العمل فیه اکثر ولان فائدته تتعدی الی السامعین ولانه یوقظ قلب الذاکر ویجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم اھ

امام نووی رحؒ نے ان احادیث میں جو بلند آواز سے ذکر کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اور ان احادیث کے بارے میں جو آہستہ ذکر کرنے سے متعلق ہیں، یوں تطبیق دی ہے کہ آہستہ ذکر اس وقت افضل ہے جب کہ جہر سے ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو جہر سے تکلیف ہوتی ہو یا سونے والوں کو بے آرامی ہوتی ہو اور جہاں یہ مجبوریاں نہ ہوں تو وہاں

(روح البیان جلد ۳ ص ۳۰۶) جہر سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اسی پر عمل زیادہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس کا فائدہ سامعین کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ ذکر دل کو بیدار کرتا ہے اور اس کی دلجمعی کا سامان اسی میں ہے اور اس کے کان بھی اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور نیند بھی بھاگے گی۔

اور علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

والجمع بینھما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذلك بین احادیث الجھر والاخفاء بالقراءۃ ولا یعارض ذلك حدیث خیر الذکر الخفی لانہ حیث خیف الریاء او تاذی المصلون

اور ان کی تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص و احوال کی وجہ سے مختلف ہے جیسا کہ بلند آواز سے قرأۃ کرنے اور آہستہ پڑھنے کی حدیثوں میں یہ تطبیق دی گئی ہے اور یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں آتا ہے کہ بہتر ذکر آہستہ ہے۔

او النیام فان خلاھما ذکر فقال بعض اھل العلم ان الجھر افضل الخ (شامی جلد ۱ صـ ۶۱۸)

کیونکہ جہر وہاں بہتر نہیں جہاں ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو یا سونے والوں کو اذیت ہوتی ہو۔ پس اگر ان امور سے خالی ہو تو بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ ذکر بالجہر افضل ہوگا۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر وہاں جائز اور افضل ہے جہاں ریاء کا خوف نہ ہو اور جہاں نمازیوں کی نمازیں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا ہو۔ ریاء تو ایک قلبی اور باطنی امر ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا ریاکار خود جان سکتا ہے لیکن ذکر بالجہر سے نمازیوں کی نمازیں اور سونے والوں کی نیند میں جو خلل پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے بلکہ بدعتیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے اور اب تو زور شور کے ساتھ وہ اس پر عامل ہیں کہ جب سنّت کے پیرو نمازیں شروع کرتے ہیں تو بس وہ اس وقت گلے پھاڑ پھاڑ کر لاؤڈ سپیکر پہ صلوٰۃ و سلام اور خدا جانے کیا کچھ مصنوعی عشق نامے پڑھتے ہیں۔ نہ تو باجماعت نماز پڑھنے والے اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ گھروں میں عورتیں

اور معذور دلجمعی سے نماز اور تلاوتِ قرآن کریم کر سکتے ہیں اور بیماروں اور سونے والوں کو جو اذیت ہوتی ہے تو اس کا کہنا ہی کیا؟ اور اس بدعت کی اذیت سے شریعتِ حقہ تو نالاں ہے ہی، عوام الناس بھی نالاں ہیں اور بزبانِ حال کہتے ہیں کہ ع

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

تصویر کا دوسرا رُخ :-

آپ نے قرآن و سنّت اور فقہاء اُمّت سے ذکر، دُعا اور درود شریف کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کے ٹھوس حوالے تو ملاحظہ کر لئے ہیں، اب کاغذی کشتی اور تنکوں کا پُل بھی ملاحظہ کرتے جایئے :-

گوجرانوالہ کے ایک مولوی "ابُو داؤد محمد صادق صاحب بریلوی" نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے "بعد نماز بلند آواز سے درُود شریف پڑھنے کا بیان"۔ یہ اشتہار کسی وقت لاہور کے بعض بریلویوں نے طبع کرایا تھا، اس کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مولوی صاحب مذکور نے اپنے افادات میں شامل کر کے دادِ تحسین حاصل کرنے کی بے جا اور ناکام سعی کی ہے۔ یقین جانیئے کہ پورے اشتہار میں ایک حوالہ بھی ایسا نہیں جو ان کے بالا ہوائی عنوان کی تائید کرتا ہو۔ ہم ترتیب وار ان کی خیانت یا جہالت کو طشت از بام کرتے ہیں

غور فرمائیں:۔

پہلا حوالہ:۔ بخاری ص۱۱۶ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانۂ پاک میں فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ حضرت ابنِ عبّاس رضؓ فرماتے ہیں کہ مَیں اس ذِکر کو سُنتا تھا تو معلوم کر لیتا تھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں، اور یہی حوالہ آگے شیخ محمّد تھانوی رحؒ کے دلائل الاذکار ص۷۹ کا دیا ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نماز کے بعد صحابہ کے ساتھ بلند آواز سے تسبیح وتہلیل و ذکر کرتے تھے۔ (محصلہ)

الجواب:۔ یہ حوالہ مولوی محمّد صادق صاحب کو ہرگز مفید نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ ان کا دعویٰ نمازوں کے بعد درُود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا ہے اور یہ حوالہ درُود شریف کے الفاظ سے خالی ہے۔ اس میں کہیں درُود شریف کا ذکر نہیں ہے، وثانیاً حافظ ابنِ حجر رحؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقال النووی حمل الشافعی هذا الحدیث علیٰ انهم جهروا به وقتاً یسیرا لاجل تعلیم صفة الذکر لا انهم داوموا علی الجهر

امام نووی رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحؒ نے اس حدیث کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور صحابۂ کرام رضؓ نے تھوڑے سے عرصہ

به والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا اذا احتيج الى التعليم (فتح الباری جلد۲ ص۲۶۹)

کے لئے ذکر جہر سے کیا تھا تاکہ ذکر کے طریقہ کی تعلیم ہوسکے، یہ نہیں کہ انھوں نے بلند آواز سے پڑھنے پر مداومت کی تھی اور مختار بات یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز سے ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

اور امام نووی رح نے اس حدیث کی شرح میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ :-

ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة و غيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير وحمل الشافعي هذا الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انهم جهروا دائما۔

محدّث ابن بطال رح وغیرہ علماء نے کہا ہے کہ وہ ائمہ مذاہب جن کی لوگوں نے بکثرت اتباع کی ہے اور اسی طرح دوسرے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے اور حضرت ابن عبّاس رضہ کی روایت کا مطلب امام شافعی رح نے

(شرح مسلم جلد ۱ ص۲۱۷) یہ بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے تعلیم کی خاطر بلند آواز کے ساتھ ذکر ہوتا رہا نہ یہ کہ انھوں نے اس پر دوام کیا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ تمام ائمہ اسلام اس امر پہ متفق ہیں کہ نہ تو بلند آواز سے ذکر کرنا درست ہے اور نہ (نمازوں کے بعد) بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے اور یہ مذکور حدیث اس وقت کی ہے جب کہ لوگوں کو ذکر کی تعلیم دی گئی تھی گویا جہر بالذکر کی یہ حدیث منسوخ ہے اور جمہور ائمہ اسلام اور خصوصًا ائمہ اربعہ رح کے نزدیک جہر سے ذکر کرنا اب جائز نہیں ہے، تعلیم کا معاملہ الگ ہے۔ تعجب ہے کہ تمام ائمہ ایک طرف ہیں اور اہلِ بدعت دوسری طرف ہیں ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

نوٹ:۔ جہاد کے موقع پر اسلامی لشکر کا نعرۂ تکبیر بلند کرنا جائز ہے اور اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر رح اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وھو قدیم من شان الناس — لوگوں کا اس پر قدیم سے عمل چلا

(فتح الباری جلد ۲ صـ ۲۶۹)　　　　آ رہا ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کے حوالہ سے اشتہار میں جو یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اس سے صاحبِ اشتہار نے اپنے دجل کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بعض کا یہ قول نقل کر کے اس کو پسند نہیں کیا اور اپنا نظریہ والمختار الخ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جس کا بیان باحوالہ پہلے ہو چکا ہے۔

دُوسرا حوالہ :- طبرانیؒ اور بیہقیؒ اور حلیۃ الاولیاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافق اور جاہل لوگ تمھیں مجنوں اور ریاکار سمجھیں۔ (محصلہ)

الجواب :- اس کا جہر اور بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے کیا تعلق ہے؟ اور پھر بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنے سے کیا ربط ہے؟

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ضرورُری ہوتی ہے اس سے جو امر ثابت ہے وہ کثرتِ ذکر ہے اور وہ محلِ نزاع نہیں ہے۔

تیسرا حوالہ :- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الخ پڑھتے تھے۔
مشکوٰۃ صد ۸۸ (محصلہ)

الجواب :۔ یہ بھی مولوی محمد صادق صاحب کی سخت علمی جہالت ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کی روایت میں (بصوتہ الاعلیٰ) بلند آواز کا کوئی جملہ نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کی روایت میں ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ جلد ۱ صد ۸۸، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں "رواہ مسلم" کہ یہ مسلم کی روایت ہے۔ یہ روایت مسلم جلد ۱ صد ۲۱۸ میں ہے لیکن اس میں بصوتہ الاعلیٰ کا جملہ بالکل نہیں ہے۔ یہ صاحبِ مشکوٰۃ کا وہم ہے اور مشکوٰۃ میں ان کے کئی اور اوہام بھی ہیں جو اہلِ علم پر مخفی نہیں ہیں، مگر جاہلوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

چوتھا حوالہ :۔ بحوالہ شامی جلد ۱ صد ۱۸۰ امام شعرانی رحؒ سے نقل کیا ہے کہ علماءِ سلف و خلف کا اجماع ہے کہ مساجد و غیر مساجد میں جماعت کا مل کر ذکر کرنا مستحب ہے۔

الجواب :۔ اس حوالہ کے نقل کرنے میں مولوی محمد صادق صاحب نے جس دجل اور تلبیس کا ثبوت دیا ہے غالباً یہود بھی اس سے شرما جائیں گے، یہ الگ بات ہے کہ بریلویوں کے

اس خطیب کو شرم نہ آئے۔ شامی میں فی المساجد وغیرھا کے آگے یہ استثناء بھی ہے جس کو مولوی صاحب شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔

الا ان یشوش جھرھم علیٰ نائم او مصل اوقاری اھ (شامی جلد ۱ صـ ۶۱۸)	مگر یہ کہ ذکر کرنے والوں کا جہر سونے والے یا نمازی یا قاری کے لئے تشویش کا ذریعہ ہو تو پھر جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے۔

دیکھئے کس طرح مولوی صاحب نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے کہ مستثنیٰ منہ ذکر کر دیا ہے اور مستثنیٰ کھا گئے ہیں۔

پانچواں حوالہ:۔ تفسیر روح البیان جلد ۲ صـ ۳۰۶، صـ ۳۵۲۔ مرقات شرح مشکوٰۃ اور خزینۃ الاسرار صـ ۵ میں مذکور ہے۔ ریاکاری کا خوف نہ ہو تو بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے تاکہ نیند اور غفلت دور ہو الخ (محصلہ)

الجواب:۔ بلاشک بعض علماء کے نزدیک بعض اوقات ذکر بالجہر جائز ہے مگر روح البیان وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف نہ ہو اور مرقات کا حوالہ گزر چکا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر حرام ہے

اور مرقات ہی میں ہے کہ :-

ویسن الاسرار فی سائر الاذکار ایضًا الا فی التلبیۃ والقنوت لِلامام الخ (مرقات جلد ۲ ص ۱۶)

تمام اذکار میں آہستہ پڑھنا سُنّت ہے، ہاں تلبیہ اور قنوت (نازلہ) میں امام کے لئے جہر سے پڑھنا درست ہے الخ۔

پھر اس ذکر سے نمازوں کے بعد بلند آواز سے درُود شریف پڑھنے کا کیا تعلق جو مشتہر صاحب کا باطل مدعیٰ ہے۔ دعوے اور دلیل میں مناسبت درکار ہے جو یہاں مفقود ہے۔

چھٹا حوالہ :- کہ امام سیوطیؒ اور شیخ عبدالحق دہلویؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے ذکر بالجہر پر کتابیں لکھی ہیں (محصلہ)

الجواب : اپنے موقع پر ذکر بالجہر بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن نمازوں کے بعد اور مسجدوں میں اور پھر درُود شریف بلند آواز سے پڑھنا اور اذانوں کے بعد گلے پھاڑ پھاڑ کر پڑھنا، اس پر ان بزرگوں نے کون سی کتاب تصنیف فرمائی ہے؟ اور اسی طرح فتاویٰ خیریہ میں جو یہ لکھا ہے کہ صوفیاء کرام مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے (محصلہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو میدانِ فتویٰ میں فقہاء کرام کی بات کا اعتبار ہوتا

ہے، نرے صوفیاء کی بات کوئی وقعت نہیں رکھتی، حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں کہ عملِ صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں معذور داریم اھ مکتوبات دفتر اول ص۲۳۵ ثانیاً اس سے اس کا ثبوت کیونکر ہوا کہ وہ نمازوں کے بعد پڑھتے تھے اور پھر درود شریف بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اس کے خلاف حضرت ابنِ مسعود رض کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابۂ کرام رض مسجدوں میں حلقے باندھ کر اور بلند آواز سے درود نہیں پڑھتے تھے (محصلہ)

ساتواں حوالہ:۔ سرخی یہ قائم کی ہے کہ "بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کی فضیلت" اور پھر آگے علامہ عبدالرحمٰن صفوری رح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب واعظ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ الآیہ پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں اور پھر آگے المورد العذب نامی ایک مجہول کتاب سے ایک عجیب و غریب افسانہ بھی درود شریف کے بارے میں لکھا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام نووی رح نے کتاب الاذکار میں خطیب بغدادی رح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ (محصلہ)

الجواب :۔ عجیب منطق ہے، دعویٰ تو یہ ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب واعظ یہ آیت پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں؟ اور پھر صفوری رحؒ وغیرہ کا فتویٰ حضرت ابنِ مسعود رضؓ کے فتویٰ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور مطلق بعض اوقات میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے جواز سے اذانوں اور نمازوں کے بعد مقید طور پر پڑھنے کا ثبوت کہاں سے؟ فقہاء کرام رحؒ نے تو تصریح کی ہے کہ جب امام خطبہ میں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ الآیہ پڑھے تو سامعین زبان کو حرکت تک نہ دیں بلکہ دِل میں درود شریف پڑھیں (کفایہ جلد ۱ صہ۲۹ و شرح وقایہ جلد ۱ صہ۱۷۵ و سراجیہ صہ۱۷) مگر علامہ سرخسی رحؒ، حافظ ابن الہمام رحؒ اور علامہ شامی رحؒ اس موقع پر آہستہ پڑھنے کی بھی صراحت سے ممانعت نقل کرتے ہیں (مبسوط جلد ۲ صہ۲۹، فتح القدیر ج ۲ صہ۴۲ اور فتح الملہم جلد ۲ صہ۴۲) لہٰذا یہ قول بھی اپنے مدعا پر نہیں ہے۔

آٹھواں حوالہ :۔ فریق مخالف کے امام ابن القیم رحؒ جلاء الافہام صہ۲۷ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جمعہ کے دِن مجھ پر بکثرت درُود شریف پڑھو کہ تم جہاں بھی ہو گے مجھے آواز پہنچ جائے گی (ملخصلہ)

الجواب :- اس کی سند میں سعیدؒ بن ابی ہلالؒ عن ابی الدرداؓ ہے اور سعیدؒ بن ابی ہلالؒ کی سماعت ابوالدرداءؓ سے ثابت نہیں ہے۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سعیدؒ بن ابی ہلالؒ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ۹۵) اور حضرت ابوالدرداؓ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی (الکمال صـ۵۹۴) اس روایت سے حاضر ناظر جیسا مسئلہ ثابت کرنا کارے دارد۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ دُور دراز سے جو درُود شریف پڑھا جاتا ہے اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں، آپ خود دُور سے نہیں سُنتے ۔ اور پھر بروز جمعہ بکثرت درود شریف پڑھنے سے جہر کے ساتھ درُود شریف پڑھنے کا اور گلے پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے کا ثبوت اس سے کیسا؟ غرضیکہ جو بات اس سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں اور جس کا انکار ہے وہ ثابت نہیں

نواں حوالہ :- (دلائل الخیرات صـ۵۲) کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ محبت کا درود میں خود سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا ہوں۔ (ملخصلہ)

الجواب : یہ روایت بالکل بے موضوع اور بے سند ہے۔ اگر کوئی

محمدؐ صادق صاحب میں ہمت اور غیرت ہے تو اس کی سند اور راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال اور معتبر محدثین کرام سے اس کی باحوالہ تصحیح نقل کریں۔ دیدہ باید۔ چند بزرگوں کے حوالہ سے دلائل الخیرات کے مستند ثابت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث کی سند اور اس کی صحت درکار ہے۔

دسواں حوالہ:۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان مجھے سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالےٰ میری رُوح کو عالمِ استغراق سے اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے اور مَیں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ مشکوٰۃ شریف (محصلہ)

الجواب:۔ اس کا بلند آواز سے درُود شریف پڑھنے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب فرشتوں کے ذریعہ آپ تک درُود شریف پہنچایا جاتا ہے تو اس وقت عالمِ استغراق سے متوجہ ہو کر آپ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اس بات میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

گیارھواں حوالہ:۔ کہ مشکوٰۃ شریف ص۴۵۷ میں حدیث آتی ہے اِنّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اس کا ترجمہ مولوی محمدؐ صادق صاحب نے کیا ہے جو خالص تحریف ہے۔ یعنی جو غیب و دُور کی چیز تم نہیں دیکھتے وہ مَیں دیکھتا ہوں اور جو

غیب و دُور کی بات تم نہیں سُنتے میں سُنتا ہُوں۔
الجواب :۔ غیب و دُور کے الفاظ مولوی صاحب کی خانہ ساز اختراع اور ایجاد بندہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ مَیں چونکہ اللہ تعالےٰ کا نبی ہُوں، فرشتہ جو وحی لاتا ہے اور وحی سُناتا ہے اُسے مَیں دیکھتا بھی ہوں اور اس کا کلام سُنتا بھی ہُوں اور اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ احیاناً مجھے جو دکھا دے اور جو سُنا دے میں دیکھتا اور سُنتا ہُوں۔ نہ ہر وقت ایسا ہوتا ہے اور نہ غیب و دُور اس سے مُراد ہے۔ کیونکہ یہ مطلب قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہے جو یقیناً باطل اور مردُود ہے۔
بارھواں[۱۲] حوالہ :۔ کہ علّامہ یُوسف نبہانی ؒ اور شیخ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جب تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یاد کرے اور درُود عرض کرے تو حیاء و ادب و تعظیم کی حالت اختیار کر، اس لئے کہ تحقیق آپ صلّے اللہ علیہ وسلّم تجھے دیکھتے اور تیرا کلام سُنتے ہیں کیونکہ آپ صفاتِ الٰہی سے متصف ہیں اور اللہ تعالےٰ کی ایک صفت یہ ہے : انا جلیس من ذکرنی اھ (سعادۃ الدارین ص ۴۵۴ ومدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۶۲۱) (محصلہ)

الجواب :۔ مولوی صاحب نے اس حوالہ میں نہایت شرمناک

دھوکہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دجل اور تلبیس، فریب اور مکاری سے بچائے۔ مدارج النبوۃ کی اصل عبارت یوں ہے:۔

نوع ثانی کہ تعلق معنوی است بجناب محمدی وآں نیز دو قسم است اوّل دوام استحضار آں صورت بدیع المثال و اگر ہستی تو کہ تحقیق دیدۂ وقتی از اوقات در خواب، و تو مشرف شدۂ بداں پس استحضار کن صورتی را کہ دیدۂ در منام و اگر ندیدۂ ہرگز و مشرف نہ شدۂ باں و استطاعت نداری کہ استحضار کنی آں صورت موصوفہ باین صفات را بعینہا ذکر کن او را و درود بفرست بروے صلی اللہ علیہ وسلم و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وی صلی اللہ علیہ وسلم می بیند و میشنود کلام ترا الخ۔
(مدارج النبوۃ۔ جلد ۲۔ صد ۷۱۵)

حضرت شیخ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر خواب میں تجھے آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تو تو آپ کا ذکر کرتے وقت اور درود شریف پڑھتے وقت یہ تصور کر کہ گویا آپ حالتِ حیات میں تیرے پاس حاضر ہیں اور تو آپ کو ادب، اکرام، تعظیم، ہیبت اور حیا کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور تو جان کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور تیرا کلام سُن رہے ہیں الخ۔ یہ ساری عبارت جس میں وبدانکہ الخ کا جملہ بھی ہے، لفظ گویاؔ کے نیچے داخل ہے۔ مگر

مشہور صاحب نے خدا تعالیٰ کا خوف دل سے نکال کر لفظ گویا (اور حرف عطف) اڑا دیا ہے اور اس کی جگہ تحقیق مجھے دیکھتے ہیں کر دیا ہے۔ صد افسوس ہے اس دیانت اور علم پر اور تف ہے اس مصنوعی پرہیزگاری پر لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ۔

تیرھواں حوالہ:۔ پھر آگے متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے درود شریف بزرگوں سے ثابت ہے سیرت حلبیہ ص۲۱۴ ج۲، نسیم الریاض جلد۳ ص۴۹۳، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص۱۲۴۔ اور حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ چودہ سو ولیوں نے ان کلمات سے فیض پایا ہے جلاء الافہام ص۲۰۵۔ روح البیان۔ اور آخر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی کتاب الشہاب الثاقب ص۶۵ کا حوالہ دیا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھنا اگرچہ بصیغہ خطاب وندا کیوں نہ ہو، مستحب ہے۔ (محصلہ)

الجواب:۔ ہم اور ہمارے تمام اکابر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ بھی فی الجملہ اور مختصر طریقہ سے درود شریف کے الفاظ ہیں، ہاں البتہ حرف خطاب اور حرف یا سے حاضر و ناظر مراد لینا کفر ہے چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تصریح کی ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھا جا سکتا ہے مگر آپ کو حاضر و ناظر نہ سمجھو ورنہ اسلام کیا کفر ہوگا۔ اصل الفاظ یوں ہیں:۔

اور اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بہت مختصر ہے مگر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلّم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیے ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا بلکہ یوں سمجھیے نہ یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں بلفظہٖ (فیوض قاسمیہ ص۴۸) اور بریلوی حضرات کے مشہور مولوی جن کی کتاب پر ان کی بدعت کی عمارت کھڑی ہے مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں کہ جو کوئی کہتا ہے ؎

تمھارے نام پر قربان یا رسول اللہ　　　فدا ہو تم پہ میری جان یا رسول اللہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے۔ مُراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے کیا ضرور ہے کہ یوں کہو یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر و ناظر جان کر پکارتا ہے۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو، حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (انوار ساطعہ ص۲۲۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاضر و ناظر سمجھنا مولوی عبد السمیع صاحب کے نزدیک بھی کفر و شرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بلند آواز سے اذان کے بعد یا پہلے یا نمازوں کے بعد درود شریف پڑھنے کے ثبوت میں کوئی صریح اور صحیح حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ٹھوس حوالے موجود ہیں جن میں بعض پیش کر دیئے گئے ہیں اہلِ بدعت عموماً اور مولوی محمد صادق صاحب خصوصاً لوگوں کو دھوکہ

دیتے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات صحابۂ کرام رضہ اور تابعین رح اور تبع تابعین رح اور ائمہ دین رح اور سلف صالحین رح کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعتیں نکالتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنت پر چلنے کی اور بدعت سے بچنے کی توفیق بخشے۔ (آمین ثم آمین)

ضمیمہ

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رح ذکر بالجہر کی تفصیل کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وروی البیہقی رح فی کتاب شعب الایمان عن سعد رض بن مالک رض مرفوعاً خیر الذکر[1] الخفی وخیر الرزق ما یکفی وفی النہایۃ شرح الہدایۃ المستحب عندنا فی الاذکار الخفیۃ الا ما تعلق باعلان مقصود کالاذان والتلبیۃ انتہیٰ وصرّح کثیر من الحنفیۃ منہم

امام بیہقی رح نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت سعد رض بن مالک کے طریق سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ اور مخفی طریقہ سے ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے اور ہدایہ کی شرح نہایہ میں لکھا

---

[1] یہ روایت علاوہ اس مذکور حوالہ کے جو پہلے گزر چکا ہے موارد الظمآن صنہ ۵۷۹ میں بھی ہے۔

صاحب الهداية ان الجهر بالذكر
بدعة والاصل فيه الاخفاء و
الحاصل ان الجهر وان كان جائزا
لكن المفرط منه منهي عنه والسر
افضل من الجهر الغير المفرط
ايضا كيف والجهر المفرط يستلزم
مفاسد منها ايقاظ النيام ومنها
شغل قلوب المصلين وهو يفضي
الى سهو ومنها ترك الخشوع عما
ينبغي الى غير ذلك من المفاسد
التي لا تحصى وان شئت زيادة
التفصيل في هذا فارجع الى
رسالتي سباحة الفكر بالجهر بالذكر
انتهى - (مجموعہ فتاوی جلد ۲ ص ۳۰۲ طبع لکھنؤ)

ہے کہ ہمارے (یعنی حنفیوں کے)
نزدیک مستحب یہ ہے کہ اذکار
خفیہ اور آہستہ ہوں مگر ہاں جہاں
ان کے جہر سے کوئی مقصود وابستہ
ہو، مثلاً اذان اور حج میں تلبیہ، اور
بہت سے احناف نے جن میں
صاحب ہدایہ بھی شامل ہیں اس
کی تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے
ذکر کرنا بدعت ہے اور اصل ذکر
میں یہ ہے کہ آہستہ ہو۔ حاصل یہ
ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن حد
سے زیادہ جہر سے ذکر کرنا ممنوع
ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفرط
سے بھی بہتر ہے۔ کیوں بہتر نہ
ہو جبکہ جہر مفرط کئی خرابیوں کو
مستلزم ہے ایک یہ کہ سونے
والوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نمازیوں کے دِل
مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ نماز
میں بھول جاتے ہیں اور تیسرے
یہ کہ اخلاص اور خشوع اس سے
ترک ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ
اور بے شمار خرابیاں ہیں اگر اس
میں زیادہ تفصیل چاہتے ہو تو
میرے رسالہ "سباحۃ الفکر بالجہر بالذکر"
کی طرف مراجعت کرو۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا
کہ وہ جہر مفرط کے تو کسی طرح قائل نہیں ہیں اور آجکل لاؤڈسپیکر
پر گلے پھاڑ پھاڑ کر جو ذکر کیا جاتا ہے وہ جہر مُفرط نہیں تو اور کیا
ہے۔ اور مولانا نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ جہر غیر مُفرط
سے بھی ذکر خفی افضل ہے اور پھر جہر مفرط کے کئی مفاسد اور
خرابیاں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک نمازیوں کی
نماز میں خلل ہے اور کوئی مُنصف مزاج آدمی اِس سے
انکار نہیں کر سکتا کہ آج کل اہلِ بدعت اپنی مسجدوں

میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے جو صلوٰۃ و سلام اور بزعمِ خود نعتیہ اور عشقیہ کلام پڑھتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ دوسری مسجدوں میں نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے بلکہ گھروں اور محلّوں میں عورتوں کی نمازوں میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے۔ الغرض حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کو اپنا ہمنوا سمجھنا جیسا کہ مشہر صاحب نے کہا ہے، ایک بے بنیاد امر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

